رسالہ

اردو کے ہندو ادیب

جو اردو نمائش گوالیار کے جلسہ میں پڑھا گیا تھا اور
جس کو آل انڈیا اردو کانفرنس دہلی کے جلسہ کے لئے
۲۰ اپریل ۱۹۳۴ء کو حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی نے
چھپوا کر شائع کیا

نوشتہ جناب قاری مولوی محمد مشیر احمد صاحب علوی ناظر کاکوروی
بی اے (علیگ) سابق سکریٹری اردو کانفرنس دہلی

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

اُردو خدمات کے صلہ میں

موجودہ ہندو ادیبوں کے سرتاج کی نذر

ہزاکسلنسی یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر جی۔سی۔آئی۔ای صدر اعظم سلطنت آصفیہ کے اسم گرامی سے ان اوراق کو منسوب کیا جاتا ہے۔ کیونکہ سر یمین السلطنت بہادر نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ باوجود ریاست کی سیاسی مصروفیت کے تیس چالیس اُردو کتابیں تصنیف و تالیف کر کے دور حاضر کے ہندو ادیبوں میں ایک نمایاں امتیاز حاصل کیا ہے۔

مقام
فرح بخش
دوگاؤں لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

جب یہ مضمون ریاست گوالیار کے جلسہ اُردو میں مولٰنا ناظر صاحب کاکوروی نے اہل جلسہ کو سُنایا تو تمام سامعین پر اسکا اثر ہوا۔ میں ناظر صاحب سے واقف نہ تھا اور نہ پہلے کبھی ان کا نام سُنا تھا نہ انکی کوئی تحریر دیکھی تھی مگر یہ مضمون سُننے کے بعد مجھ پر ناظر صاحب کی انصاف پسندی اور حق پرستی اور معلومات عامّہ کی لیاقت کا اس قدر اثر ہوا کہ میں نے اسی وقت اُن سے اور مولٰنا ضیا عباس ہاشمی صاحب سے اس مضمون کو شائع کرنے کی اجازت مانگی چنانچہ اُن دونوں نے مجھے اجازت دی اور میں اس کو بلا قیمت تقسیم کرنے کے لیئے شائع کرتا ہوں۔

منشی نولکشور | مولٰنا ناظر کاکوروی نے منشی نولکشور صاحب کا اس رسالہ میں تذکرہ کرکے حامیانِ اُردو کا ایک بڑا فرض ادا کر دیا ورنہ اُن سب پر بے انصافی کا الزام لگایا جاتا۔ درحقیقت انصاف کا یہی تقاضہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں اس بات کا خیال رکھیں کہ خادمانِ ملک کی خدمتوں کا اقرار کیا جائے تاکہ دوسرے لوگوں میں خدمت ملک و ملّت کا جذبہ پیدا ہو۔

منشی بلاقیداس اسی سلسلہ میں دہلی شہر کے مشہور تاجر کتب منشی بلاقیداس صاحب کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو قرآن مجید چھاپا کرتے تھے۔ وہ ہندو ہونے کے باوجود قرآن مجید کی طباعت میں اسقدر احتیاط اور ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ کسی مسلمان سے بھی اتنا ادب شاید نہ ہوسکتا ہوگا۔ یہاں تک کہ جس گودام میں مطبوعہ قرآن مجید رکھے جاتے تھے اسکی چھت پر ایک بالاخانہ بھی تھا مگر منشی بلاقیداس نے اس بالاخانہ کے زینہ کو مقفّل کردیا تھا اور لکھدیا تھا کہ جبتک قرآن مجید اس مکان کے اندر ہیں اوپر کا مکان کوئی شخص استعمال نہ کرے تاکہ قرآن مجید کی بے حرمتی نہ ہو۔

اوراق کی حرمت کا صلہ قرآن مجید کی طباعت کے وقت کثرت اوراق چھپائی کی خرابی کے سبب منشی بلاقیداس کے ہاں ردّی ہوگئے تھے انہوں نے اس ردّی کو بھی بہت ادب اور عزّت سے ایک جگہ محفوظ رکھا تھا۔

حضور نظام کی قدر دانی اور جب اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں حضور نظام کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے آٹھ ہزار روپے منشی بلاقیداس کو دئے اور وہ تمام اوراق متبرک اُن سے لے لئے۔

بلاقیمت تقسیم کرنیکی وجہ میں یہ رسالہ اس لئے بلاقیمت تقسیم کرتا ہوں کہ حامیانِ اُردو اور مسلمان قوم کی رواداری اور صلح جوئی اور بے تعصبی

سب کو معلوم ہو جائے۔ اور مسلمانوں میں اس قسم کے مضامین لکھنے کی رغبت
بڑھے لیکن اسکے ساتھ ہی میں یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ جس طرح اُردو کے
حامیوں اور ادیبوں کا یہ تذکرہ شائع کیا گیا ہے اسی طرح میں اُن لوگوں کا تذکرہ
بھی شائع کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اُردو کی مخالفت میں حصّہ لیا یا اُردو کو
کسی طرح کا نقصان پہنچانا چاہا تاکہ حق و باطل میں تمیز ہو جائے اور وہ لوگ
جو منافقت اور ظاہرداری سے حامیانِ اُردو کو فریب دیکر احمق بناتے ہیں
اُن کی اصلی صورت سب کے علم میں آجائے۔ اس معاملہ میں بھی میرا انصاف
خدا کے حکم کے بموجب قائم رہے گا۔ کیونکہ خدا نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے
کہ تم کسی کی دشمنی کے سبب اسکے ساتھ بے انصافی نہ کرنا بلکہ انصاف دشمن کے
ساتھ بھی کرنا۔ اور دوسری جگہ قرآن میں آیا ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ
يَا أُولِي الْأَلْبَابِ۔ (بدلہ لینے میں یقیناً تمہارے لئے زندگی ہے اے عقل والو)
پس جس طرح میرے دل میں دوسروں کے ساتھ چاہے وہ دشمن ہوں یا دوست عدل
کا جذبہ موجود ہے اسی طرح میں قصاص کا جذبہ بھی رکھتا ہوں۔ اور میں اُن لوگوں میں نہیں
ہوں جنکے ایک کلّہ پر طمانچہ مارا جائے تو وہ دوسرا کلّہ بھی سامنے کر دیتے ہیں کہ لیجئے اور مار لیجئے
بلکہ میں اُن لوگوں میں ہوں جنکے کلّہ پر اگر کوئی ایک طمانچہ مارے تو وہ ایک طمانچہ مارنیوالے کے

کے کلّہ پر قصاص لینے کیلئے ویسا ہی ایک طمانچہ مارتے ہیں مگر ایک طمانچہ سے زیادتی نہیں کرتے کیونکہ قرآن مجید میں زیادتی کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

اُردو پر حملے میں محسوس کرتا ہوں کہ آج کل اُردو زبان کے خلاف ایک بہت بڑی جنگ برپا ہے اور وہ ایسی عقلمندی سے شروع کی گئی ہے کہ اُردو بولنے والے یا اُردو کو اپنی زبان سمجھنے والے جانتے بھی نہیں کہ اُن کی زبان اُردو کے خلاف ایک خونخوار جنگ شروع ہو گئی ہے۔ یہ جنگ اُردو بول چال کے خلاف نہیں ہے بلکہ اُردو رسم الخط کو مٹانے کے لئے نہایت حکمت کے ساتھ شروع کی گئی ہے اور نیشلسٹ مسلمان بھولپن یا خودغرضی کے سبب مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ بے پرواہ رہیں اُنکی زبان کیلئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

مجھے بھی فریب دینے کی کوشش کیگئی دہلی میں ابھی حال میں ایک ہندی کانفرنس ہوئی تھی اور اُسکے پندرہ مدراسی نمایندے میرے پاس یہ درخواست لیکر آئے تھے کہ آپ اپنی ایک سو پچیس تصنیفات ہندی رسم الخط میں منتقل کر دیجئے۔ یہ لوگ ایک نیشلسٹ مسلمان کا تعارف نامہ لیکر آئے تھے اور مجھے اپنی میٹھی باتوں سے فریب دینا چاہتے تھے جب اُنکی ہمت اتنی بڑھی ہوئی ہے تو معلوم نہیں کہ وہ کمزور عقل کے نیشلسٹ مسلمانوں کو کس قدر مغالطے دیتے ہونگے۔ اس لئے میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں شدھی اور تبلیغ کی گزشتہ جنگ کی طرح اس جنگ میں بھی اُردو کے بچاؤ کیلئے میدان میں سینہ سپر ہو کر کام کروں گا اور جن لوگوں نے گزشتہ چھ برس کی لڑائی کا تماشہ دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ میں میدان جنگ کو پیٹھ نہیں دکھاؤں گا۔

حسن نظامی دہلی ۱۸۔ ماہ عابد سنہ ۱۳۱۳ ہجری شمسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

ہندوستانی علم ادب کا سب سے ممتاز دور وہ ہے جس کا آغاز تاریخ ہند میں وشنویوں کے عہد سے کیا جاتا ہے۔ یہی وہ تھے جنہوں نے سولھویں صدی عیسوی میں تصوّف سے متاثر ہو کر سماج کے شیرازہ کو اخوت عامہ کے اصول پر ازسرِ نو منظم کیا اور ادب میں فطرت انسانی کی نزاکت تخیّل میں رعنائی و لطافت کی تصویر غیر معمولی سلیقہ کے ساتھ کھینچی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندو مسلمانوں میں باہم رواداری کے جذبات پوری قوّت کے ساتھ موجزن تھے اور "انسانیت" کا دامن اذان و ناقوس کے جھگڑوں سے ملوث نہ تھا۔

یہ امر مسلّم ہے کہ ہماری زبان جو شیخ و برہمن کی مشترکہ ملکیت ہے۔ اس کی عزّت افزائی ہمایوں کے عہد سے شروع ہوئی اور اکبری دور کے آتے ہی اس نے ایسی متحدہ صورت اختیار کر لی کہ اگر کسی بزم

ہیں عرفی و نظیری سرگرم سخن نظر آتے تھے تو تلسی داس اور سورداس کی نغمہ سنجیاں بھی گرمی پیدا کر رہی تھیں ـــــــــ"

اُردو ادب اس محبت کے سایہ میں نشو ونما پاتا رہا حتیٰ کہ ہندوستان کی سیاسی بساط کا نقشہ بدلا لیکن باوجود اس انتشار کے شیخ و برہمن کا مسئلہ کہیں بھی رونما نہ ہو سکا اور اگر مرزا غالب کے خدنگ نظر نے میر مہدی مجروح کو گھائل کیا تو مرزا گوپال تفتہ بھی اس سے بچکر نہ نکل سکے۔

شمالی ہند میں اس شیرازہ اتحاد کا درخشاں ورق خان آرزو سے شروع ہوتا ہے جس کی مطلا اور زریں جدول پر رائے آنند رام مخلص ٹیک چند بہار کے اسمائے گرامی منقوش نظر آتے ہیں۔ دور وسطیٰ میں ناموری کا تاج بندرابن راقم یا سرب سکھ دیوانہ کے سر رہا ہے جنکے ایک شاگرد میاں حسرت جرات کے سے صاحب کمال شخص کے استاد تھے۔ اور متاخرین میں قبولیت عام کا سہرہ اس شہنشاہ سخن کے سر پر زینت افروز ہوا جس نے اپنے سب پیش رووں کو فراموش کرا دیا یعنی گلزار نسیم کا حیات جاوید پانے والا لکھنؤ کا نامور مصنف پنڈت

دیا شنکر نسیم ۔ اس میں شک نہیں کہ اُردو ادب کی ترقی و تہذیب کے سلسلہ میں مسلمانوں کے کارنامے زیادہ روشن ہیں جس کی وجہ وہ شاہی پشت پناہی تھی جو فرمان روایانِ ماسبق کے دورِ ہمایوں میں اُردو زبان کو نصیب ہوئی لیکن یہ کھلی ہوئی بے انصافی ہوگی اگر کوئی ناواقف یہ کہہ اُٹھے کہ ہمارے برادرانِ وطن نے اس زبان کی ترقی اور ترویج میں کوئی نمایاں حصّہ نہیں لیا۔ گو دورِ حاضرہ کی سیاسی گھٹاؤں نے مطلع ادب کو گرد آلود کر رکھا ہے لیکن نقادانِ فن بخوبی واقف ہیں کہ اُردو ہندی کا مسئلہ بجائے خود کوئی سیاسی اہمیت نہیں رکھتا زبان ایک ہی ہے صرف عمرانی و اقتصادی نہج پر رسم الخط جداگانہ ہو گئے ہیں بلکہ ضروریاتِ زندگی نے جس طرح انگریزی زبان میں شارٹ ہینڈ کی بھی محسوس کر کے جدید رسم الخط کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح ہم ہندوستانیوں نے بھی اپنی ضروریات کو مدّنظر رکھ کر اُردو رسم الخط کو رائج کیا کیونکہ یہ عینی مشاہدہ ہے کہ روزمرّہ کی زندگی میں جس حد تک اُردو رسم الخط ہمارا ممد و معاون ہے وہ کوئی دوسرا رسم الخط نہیں ہو سکتا۔ ہمارا مدعا یہ ہے کہ اس غلط فہمی کو جو گمراہ کن حلقوں میں سرایت کرتی جاتی ہے دور کیا جائے اور اس ضمن میں یہ بھی بتا دیا

جائے کہ مسلمان مورخین نے ہندو شعرا کے کمالات کو کس قدر بلند آہنگی اور کشادہ دلی سے سراہا ہے۔ اور اُنکے جواہر پاروں کی کتنی عزّت کی ہے۔

اس میں مطلقاً شبہ نہیں ہے کہ ہمارے ابنائے وطن نے زبانِ اُردو کی خدمت میں کافی سرگرمی سے حصّہ لیا ہے اور ایک بیش قیمت سرمایۂ اُردو کے قدردانوں کے لئے چھوڑا ہے۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ اُردو زبان کا جُوا سب سے پہلے ہندوستان میں ہندوؤں ہی نے اپنے کاندھوں پر رکھا کیونکہ جب ۱۰۲۷ء میں محمود نے پنجاب کو اپنی مملکت محروسہ میں شامل کیا تو لاہور کی ہندو رعایا نے اپنی کھڑی اور پنجابی (ابتدائی) کی جگہ اس جدید زبان کو سر آنکھوں پر رکھا[۱]۔ اگر ہندو اُس وقت اس طفل نوخیز کی پرورش نہ کرتے تو آج آپ ہی انصاف سے کہئے کہ یہ کیونکر پروان چڑھ

---

[۱] مشہور بین الاقوامی مستشرق ڈاکٹر گریہم بیلی (لندن یونیورسٹی) کی جدید تحقیقات کی رو سے اُردو زبان ۱۰۲۷ء سے رائج ہوئی جب محمود نے پنجاب فتح کر کے اپنی سلطنت محروسہ میں شامل کیا۔ یہ لاجواب تحقیقات رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل (لندن) کے اپریل ۱۹۳۰ء میں شائع ہو چکی ہے۔

سکتی تھی بہرحال یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ہندوؤں نے اُردو زبان کی آبیاری نہیں کی بلکہ ہمیشہ انہوں نے اس کو اپنی مُلکی زبان سمجھا اور آج بھی جملہ متمدن باشندوں کی زبان اُردو ہی ہے خواہ اس کو ہندوستانی کہئے یا اُردو سے تعبیر کیجیئے۔ میر کے نکات الشعراء اور تذکرہ میر حسن کی ورق گردانی کیجیئے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہی سرمایہ مشترک کہیں ریختہ کے قالب میں جلوہ گر ہے کہیں اُردو کے کہیں ہندی کے اور کہیں ہندوستانی کے نام سے موسوم ہے ۔۔۔ غرض چیز ایک ہے جو ہر دور میں جداگانہ ناموں سے یاد کی جاتی رہی ہے ۔

ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک یہ اشتراکِ عمل ہر وقت نمایاں رہا ہے چنانچہ گزشتہ دور کا ایک جلیل القدر شاعر اپنے مشہور نعتیہ قصیدہ کی بسملہ یوں کرتا ہے ع

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

اُس باکمال سخنور نے عجم کے ذہنی خطِ غلامی کے خلاف علانیہ پرچم بغاوت بلند کیا۔ بلبلوں کی نغمہ سرائی اور طائف کی شبِ ماہ کی جگہ برسات کے جگنو اور ہندوستان کے کالے بھونروں کی موسیقی سے کام لیا۔ کنہیا جی اور

گوپیوں کی عارفانہ داستان عشق سے لیلیٰ مجنوں شیریں فرہاد کی فرسودہ مثنویوں کو افسانہ پارینہ بنا دیا اور جمنا کی طغیانی و گنگا کے تموّج سے جیحون و سیحون کو بھولا ہوا خواب ثابت کر دیا۔

گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل　　جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول عمل

خبر اُڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی　　کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

ابکی میلہ تھا ہنڈولہ کا بھی گرداب بلا　　نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل

ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے　　نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ تھا ذہنی انقلاب کہ ایک ٹھیٹ لکھنوی[1] باکمال شاعر محسن نے ایک مذہبی قصیدہ میں یہ انوکھی تشبیب استعمال کر کے ہمیشہ کے لئے ان بے نظیر تلمیحات سے مسلمانوں کے کانوں کو آشنا کر دیا ــــــ اور واقفین رموز پر آشکارا ہو گیا کہ جس طرح میر انیس مرثیہ میں آئندہ ترقیوں کا دروازہ بند کر گئے اسی طرح محسن بھی اس صنف خاص میں یکتا و فرد تھے۔ تعجب ہے کہ لوگ محسن کو بھولتے جاتے ہیں لیکن

---

[1] محسن کاکوری کے بھتے یہاں لکھنوی سے مراد لکھنو اسکول ہے جیسے علی گڈھ اسکول والے (علیگ) اور اکسفورڈ والے (اکسن) اور کیمبرج والے (کنٹب) کہلاتے ہیں۔

مجھ کو یقین ہے کہ ایک وقت آئیگا کہ جب یہ بغاوت ہنر سمجھی جائیگی اور شہدائے ادب کا احترام کیا جائیگا!

(۲)

عصر جدید کے بعض آتش بیان تذکرہ نگاروں کی شعلہ نوائیوں سے ہندوستان میں سواد اعظم کو یہ شکایت ہوگئی ہے کہ ہندو مصنفین کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ ہندو شاعروں کا نام نہیں لیا جاتا۔ ہم کو معلوم نہیں کیں ان باکمال تذکرہ نویسوں نے کیوں برادران وطن کے رشحات قلم سے اپنے بے نظیر تذکروں کو خالی رکھا۔ ہمارے خیال میں ایک اہم فروگذاشت ہے لیکن اسکے ساتھ ہمارا مقصد بعض ہندو مصنفین کے اس غلط قول کی تردید بھی کرتا ہے کہ :-

"ہمیشہ سے مسلمان تذکرہ نگاروں کا یہ اصول رہا ہے کہ وہ ہندوؤں کے محاسن کی مطلقاً قدر نہیں کرتے بلکہ اکثر شعراء کا تذکرہ بھی مناسب تصور نہیں کرتے"

یہاں ہم مسلمان تذکرہ نگاروں کی ایک مختصر فہرست پیش کرتے ہیں جس میں ہندوؤں کی خدمات زبان کا اعتراف کیا گیا ہے مثلاً گلشن ہند مرزا علی لطف - نکات الشعرا میر تقی میر - گلشن بیخار شیفتہ - جلوہ خضر

فرزند علی صفیر بلگرامی۔ سخن شعرا عبدالغفور نساخ۔ گلشن بے خار نساخ شمیم سخن مولوی عبدالحی۔ گلستان بے خزاں حکیم قطب الدین دہلوی تاریخ شعرائے اُردو منشی کریم الدین۔ تذکرہ بے نظیر عبدالوہاب افتخار۔ آب حیات آزاد۔ تذکرہ فتح علی گردیزی۔ شعرائے اُردو میر حسن وغیرہ وغیرہ۔

میر حسن (تذکرہ شعرائے اُردو میں) رائے سرب سکھ دیوانہ کے حالات میں رقم طراز ہیں:۔

"شاعر زبردست فارسی است شعر بسیار گفتہ است۔ اُستاد ریختہ گویان لکھنؤ چنانچہ میاں حسرت و میر حیدر علی حیران و اکثر دیگران شاگرد اویند۔ درانجا مشہور و معروف است۔ در اوائل مشق فکر ریختہ ہم میکرد عجب شخصے ست خدا سلامتش دارد"۔

اینا تھ سنگھ کے متعلق میر حسن لکھتے ہیں:۔

"محرر دلپذیر مورخ بے نظیر صاحب کمال بہ سن ہفتاد سال از معتقدان خواجہ میر درد است در علم تاریخ چناں فکرش رساست کہ اکثر قصاید دارد کہ در ہر مصرعش تاریخ ممدوح برمی آید بفرمائش

یاراں تارہ بجا بسیار گفتہ است ـــــ سلامت باشد۔"

رائے پہیم ناتھ کے حالات میں (بحوالہ تذکرہ قائم) ہے کہ :۔

"ظاہر حالش چوں طبع خوش موزوں و موزونی طبعش از خوبی ظاہر افزوں خطاطِ بے نظیر و کماندار دل پذیر غزل فارسی بسیار بہ خوبی می گوید گاہ گاہے فکرِ ریختہ ہم می کند۔"

لالہ نول رائے وفا کے تذکرہ میں بھی یہ انداز بیان ہے :۔

"مقبول خاطر اہل صفا لالہ نول رائے المتخلص بہ وفا از تذکرہ مہدیم چناں ظاہر گشت کہ جوانیست نو خواستہ بہ زیورِ علم و عمل آراستہ ہوش و گوش در فہم و ذکا صاحب حلم و حیا لطافت مزاج از گل زیادہ مانند بلبل دل از دست دادہ برادر خورش راجہ گلاب رائے دیوان مدار المہام امیر الدولہ نواب نجیب خاں مرحوم بود لیکن این عزیز مصروف اکتساب و غریق مطالعہ کتاب طلب ہر کمال دامنگیر حال طبع دردمند داشت عاشق مزاج بود اکثر فارسی در ریختہ می نماید۔ خدا بر عمرش بیفزاید۔"[1]

[1] نکات الشعراء کی سیر سے پتہ چلتا ہے کہ میر تقی میر نے راقم (میدرابن) کا کلام بکثرت نقل کیا ہے اور ٹیک چند بہار کی توصیف میں بھی پر زور الفاظ سے بخل نہیں کیا گیا ہے۔

اس نایاب تذکرہ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں بہت کافی ہندو شعرا کے حالات موجود ہیں اور جس لب ولہجہ میں اُن کا ذکر خیر ہے اُس کا نمونہ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا ہے۔ نکات الشعرا اور گلشن ہند میں بھی ہندو شعرا کا ذکر پوری شان کے ساتھ کیا گیا ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے بے نظیر تذکرہ گلشن بے خار میں بھی تقریباً ۵۰ یا ۶۰ ہندو شعرا[1] کا کلام موجود ہے اور اکثر اشعار کی داد بھی خوب دی گئی ہے۔

چمنستان شعرا کا تذکرہ ابھی حال میں شائع ہوا ہے جہاں تک میری تحقیقات مجھ کو بتلاتی ہے اُس کا محض ایک ہی نسخہ آصفیہ کتب خانہ (حیدرآباد) میں محفوظ تھا اور وہ بھی حد درجہ بوسیدہ اور کرم خوردہ لیکن انجمن ترقی اردو کی کاوشیں قابلِ رشک ہیں کہ اس بے نظیر تذکرہ کا ادب اردو میں اضافہ ہو سکا۔ اس کا مؤلف لچھمی نرائن شفیق اورنگ آبادی

---

[1] البیلا سنگھ حضور۔ گھاسی رام خوشدل۔ بندرابن راقم۔ ٹیک چند بہار۔ رائے سرب سکھ دیوانہ۔ آفتاب رائے رسوا۔ بلاس رائے رنگین۔ لالہ خوشوقت رائے شاداب۔ رائے بھکاری داس عزیز۔ لالہ کاشی ناتھ۔ رام نرائن موزوں۔ لالہ کول رائے وفا۔ رائے سکھ رام عاقل۔ بدھ سنگھ قلندر۔ انند رام مخلص وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔

تھا[۱]۔ شیخ عبدالقادر سے کتب علوم متعارفہ کی سند حاصل کی شعر و سخن میں میر غلام علی آزاد بلگرامی سے شرف تلمذ تھا۔ شفیق نے نکات الشعرا اور فتح علی گردیزی کے تذکروں سے متاثر ہوکر چمنستان شعرا مرتب کیا۔ شفیق نے تقریباً ۱۴۱ شعرا کے کلام کا عطر پیش کیا۔ چمن اُس دور کے مستند باکمال ہندو معاصرین[۲] کا بھی ذکر موجود ہے۔ لیکن قربان جائیے آپ یہ خامی کہیں نہ پائیے گا کہ شفیق نے کہیں بھی کسی مسلمان کا کلام محض شیعہ شاعر کے مقابلہ میں پست پیش کیا ہو توبہ کیجیے وہ عہد منصف مزاجوں کا تھا کھوٹا کھرا پہچانا جاتا تھا[۳]۔

۱؎ شفیق کے والد لاہور سے عالمگیری رسالہ کے ساتھ دکن گئے اور اورنگ آباد میں عالمگیر کے نمک کا حق ادا کرکے وہیں کے ہو رہے۔

۲؎ ٹیک چند بہار۔ جے کشن بے جان۔ رام نرائن موزوں۔ رائے بندرام مخلص۔ لالہ نہال کرن داغ۔ لالہ سودیجی رائے۔ لالہ لچھمی نراین صبا۔ بندرابن راقم۔ موہن لال بیتاب۔ سیتارام عمدہ۔ شیر سنگھ ظہور۔ لال چند رنگین۔

۳؎ اگر شفیق کے نام سے کوئی واقف نہ ہو اور اس کا کلام پڑھے تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا مصنف کس عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ تمام بزرگان دین اسلام کا ذکر اسی ادب و احترام و عقیدت سے کرتا ہے جس سے زیادہ کوئی مسلمان بھی نہیں کرسکتا۔ معراج پر جو مثنوی شفیق نے لکھی ہے اُس سے زیادہ با ادب الفاظ میں کوئی مسلمان بھی نہیں لکھ سکتا تھا۔ اردو کلیات میں متعدد قصائد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں امام آخر الزماں کی منقبت میں (بقیہ ص ۱۵۲ پر)

ہندو جائے اور مسلمان بسکٹ کا دور دورہ نہ تھا جس طرح قدیم ہندوؤں نے اسلامی علم وفن کو اپنا بنا لیا تھا اسی طرح مسلمانوں نے بھی اپنے حسن اخلاق سے ہندوؤں کی تہذیب و معاشرت کی پذیرائی کی تھی۔

دور حاضر کے تعلیم یافتہ ہندو جنٹلمین نہ تو اس توہین کو برداشت کر سکتے ہیں کہ مولوی خدا بخش مکتب میں اُنکے لڑکوں کی گوشمالی کریں اور نہ انگلستان زدہ مسلمان اس ننگ کو گوارا کر سکتے ہیں کہ وہ انشار مادھو رام اور دستور الصبیان کا نام عزت و عظمت کے ساتھ لیں۔ اب تو معاف کیجئے گا کلجگ ہے۔ دل جلتا ہے تو لب پر آہ آہی جاتی ہے۔ وقت تو اس کا ہے کہ ہم (ہ = ہندو + م = مسلمان) ہم اپنا اپنا خود ساختہ ہیورپل بنا کر ہندوستان کو تباہ کرتے رہیں، شام کو یونی ورسل تھیٹر میں بہار زلزلہ فلم دیکھیں اور انٹرول میں پولسن قہوہ کے فنجانوں میں انڈو پالاکی موسیقی اور غزنوی کے قہقہوں کی صدائے بے ہنگام بلند ہوتی رہے۔ ان جھگڑوں سے کسی کا

(بقیہ حاشیہ صلا) حضرت غوث اعظم کی طرح ہیں، حضرت گیسو دراز کی شان ہے وہ ویسا اور جہاں کہیں مسلمان بزرگان دین کے نام آئے ہیں اس عقیدت و ارادت سے اُنکا ذکر کیا گیا ہے کہ مسلمان بھی دنگ رہ جاتے ہیں ۱۲

کوئی نقصان ہو یا نہ ہو لیکن ان دونوں کی ضد نے ہم کو ضرور خاک میں ملا دیا!

(۳)

اس کو خوشامد تصور نہ کیجئے بلکہ حقیقت ہے اور حقیقت سے انکار میرے عقیدہ میں کفر ہے وہ یہ کہ ایک عجیب ادبی لطیفہ ہے کہ اُردو ادب کو کشمیری پنڈتوں سے غیر معمولی فائدہ پہنچا ہے اور آج بھی آفتاب آمد دلیلِ آفتاب کی مصداق آپ کی بزم ادب کے صدر مجلس استقبالیہ کرنل بشمبر ناتھ مکمسر عاصی سے غالباً ادب اُردو کو جو درخشاں توقعات وابستہ ہیں وہ خلاف امید نہیں ہیں۔ آئیے اس دعوی کی تائید میں ہم آپ کو چند ممتاز (متقدمین) کشمیری پنڈتوں کا حال سُنائیں:۔

آذر | جوالا پرشاد نام آذر تخلص۔ گنگا پرشاد رند سے اصلاح لیتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

دِن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
ایسے ہرجائی سے الفت کوئی کیا خاک کرے

آشفتہ | امرناتھ نام آشفتہ تخلص خمخانہ جاوید میں شاعر بے نظیر لکھا ہے۔ خدا بخش تنویر کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

مرہم داغ جگر نیر کا پیکاں سمجھا زیست کو موت میں اور موت کو درماں سمجھا

دل میں آشفتہ ہے گیسوں کا خیال لب پہ باتیں ہیں پارسائی کی

بسمل سندر لال نام بسمل تخلص۔ ناسخ کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

گوری گوری انگلیاں یوں شب کو آتی ہیں نظر

شمعیں ہیں کافور کی گویا کہ روشن ہاتھ میں

دانتوں کے نیچے دبائیں انگلیاں اغیار نے

ہیں جو چٹکانے لگا اس سیمبر کی انگلیاں[1] ؎

کشمیریوں میں ابر۔ چکبست۔ برق۔ در۔ سرشار۔ دہلا وغیرہ وغیرہ اور اسکے علاوہ نوبت رائے نظر۔ سرور جہان آبادی پیارے لال شاکر میرٹھی۔ برج موہن دتاتریہ کیفی۔ جگت موہن لال رواں۔ تلوک چند محروم۔ وحشی ہتکاری۔ نگم کانپوری۔ جگر بریلوی۔ بیتاب بریلوی۔ منور لکھنوی۔ اندرجیت شرما میرٹھی۔

---

[1] ممکن ہے کہ بعض جدید خیال کے مغربی درسگاہوں کے تربیت یافتہ اس قسم کے نمونہ کلام پر مسکرائیں لیکن اگر غور کر لیا جائے کہ جس دور کی یہ شاعری ہے اُس عہد میں ملک کا رنگ کیا تھا۔ تو غالباً اُن کو وجہ شکایت نہ رہیگی۔

سنت پرشاد مدہوش - شیو ناتھ شمیم - برق سیتاپوری - بسمل الٰہ آبادی شری متی شیام پیاری - رگھوپت سہائے فراق گورکھپوری - ساحر دہلوی - جگ موہن ناتھ رینہ شوق مشہور مرثیہ گو نانک چند لکھنوی[1] پروفیسر ورما - پروفیسر مہر وغیرہ وغیرہ کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے لیکن انکے کلام سے آپ بخوبی واقف ہیں - اس لئے ہم محض چند قدیم شعرا کا روح بخش کلام اور پیش کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی بہت مختصراً -

جوہر | جوہر سنگھ نام جوہر تخلص - خواجہ وزیر کے ارشد تلامذہ میں تھے نمونہ کلام یہ ہے ؎

منجم اکوئی ایسی رات ہوگی کہ آئے وہ مہ کامل ہمارا
قصور اے شیخ دیں ثابت نہیں منصور و سرمد کا انا الحق حسن سنت ہے انا ہے میم احمد کا
یہ خیال کوئی مسلمان بھی اس سے زیادہ با ادب الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا -
ہر عشق سے وہ حسن سے بیہوش دو نو تھے جو کچھ ہوا معاف کوئی باخبر نہ تھا

---

[1] مسٹر نانک اُردو رسم الخط سے بھی واقف نہیں ہیں گرمکھی میں لکھتے ہیں اور مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں - کلام نہایت پاکیزہ ہوتا ہے - انکا کلام گرمکھی میں ہونے کی وجہ سے ابتک اُردو میں شائع نہ ہو سکا - اب وہ رامائن کا مسدس شائع کر رہے ہیں - غالباً ادب اُردو میں ایک جدید اضافہ ہوگا -

گر نہ ہو حاصل کسی سے مدعائے دل نہ ہو
آدمی کو مراتب اعلےٰ پر توکل چاہیئے

الٰہی موت بہتر ہے جہاں میں نامرادی سے
مراد دل نہ حاصل ہو تو پھر کیا خاک جینا ہے

جوہر مادھو رام کوٹھی وال نام جوہر تخلص۔ فرخ آباد کے دولتمند شخص تھے۔ منیر سے شرف تلمذ تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

نیند آنکھوں میں بھری ہے، کہاں رات بھر رہے
کسکے نصیب تم نے جگائے کدھر رہے

ہر دم جتائیے نہ محبت شب وصال
جب بے نگاہ آپ کی وقت سحر رہے

شب جیسی گزری دن بھی گزر جائیگا مرا
جائیں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے

یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کو
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

اس طرح جھوم کے چلئے نہ حضور
سب کہیں گے کہ یہ متوالے ہیں

اتنی سی بات پر آنکھیں نہ نکالو صاحب
کیا خطا کی تمہیں جوہر نے اگر دیکھ لیا

مینھ برستا ہے گھٹا چھائی ہے چلتی ہے ہوا
ہائے کیا اندھیر ہے تم ہو جدا برسات میں

شوق سے پیجئے ہمراہ رقیبوں کے شراب
ہم چلے بزم سے کیوں آپ خفا ہوتے ہیں

جوہر تمہیں نفرت ہے بہت بادہ کشی سے
برسات میں دیکھیں گے ہم انکار تمہارا

موجی موجی رام نام موجی تخلص لکھنؤ کے شرفا میں تھے مصحفی سے شرف تلمذ تھا۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

مانی نہ ایک بات سحر تک شبِ وصال میرا سرِ نیاز تھا اور سیمتن کے پاؤں

آئی جو اسکے آنے سے گلشن میں فصلِ گل بلبل نے چوم چوم لئے گلبدن کے پاؤں

سخن رام دیال نام سخن تخلص ناسخ سے شرف تلمذ تھا۔ عالم شباب میں دُنیا سے منہ موڑ لیا۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

خدا کے واسطے سن اے صنم گلہ دل کا کہ تیری آنکھوں نے لوٹا ہے قافلہ دل کا

مری مراد بر آئے گی قتل ہونے سے کرے گی یار کی تلوار فیصلہ دل کا

الٰہی کیجیو خیر اس غریب و بیکس کی پڑا ہے لشکرِ غم سے مقابلہ دل کا

نگاہِ یار سے بچنا ہے اے سخن دشوار پڑا ہے دشمنِ جاں سے مقابلہ دل کا

جانکی شریمتی جانکی بی بی الہ آباد کے کاستھوں میں ایک مقبول حیثیت رکھتی ہیں۔ نمونہ کلام تسہیل میں شائع ہوا تھا وہ پیش کیا جاتا ہے۔

اس گل کا نہ لائی کبھی پیغام میرے پاس شرمندہ کبھی میں نہ ہوئی بادِ صبا سے

کعبہ کی طرف نشہ میں کس طرح سے جاؤں دشوار سنبھلنا ہے مجھے لغزشِ پا سے

باقی نہ رہی خواہشِ مے بادہ کشوں کو بے ہوش کچھ ایسے ہوئے ساقی کی صدا سے

سچ پوچھئے تو خاک در یار ہے ہم کو آرام ہے بڑھ کر کہیں نقشِ کفِ پا سے

نازنہ دوسری پردہ نشین خاتون شریمتی دھنراج صاحبہ نازنہ کا ایک شعر

حرم میں شائع ہوا تھا وہ بھی پیش کیا جاتا ہے ؎

کیا خطا مجھ سے ہوئی ہے جو ہوئے ہو بیزار — اپنی محفل سے اُٹھاتے ہو عبث تم مجھ کو

فرحت سنگر دیال نام۔ فرحت تخلص۔ لکھنؤ کے کائستھ تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

سُنا ہے آپ فکر عاشق ناشاد کرتے ہیں — جزاک اللہ مجھ بھولے ہوئے کو یاد کرتے ہیں

عروس گل کی مہندی آج ہے کیا صحن گلشن میں — کہ مرغان چمن شور مبارکباد کرتے ہیں

اُتر آتی ہیں پریاں صاف اُنکے شیشۂ دل میں — نہیں معلوم کیا جادو یہ آدم زاد کرتے ہیں

قصۂ ہجر بتاں ہوش میں آؤں تو کہوں — تھام لوں ضبط کروں دل کو سنبھالوں تو کہوں

رازِ دل کی نہ کسی کو ہو خبر کانوں کان — فرحت اغیار کو جب تم سے ٹالوں تو کہوں

کون اے جان مرا حال بہ ہم سمجھے — ہاں جو سمجھے تو تری کاکل پہ خم سمجھے

دخل کب پردۂ ناموس میں اغیار کا ہو — راز محرم کا ہمارا دل محرم سمجھے

سنگ اسود کا ہوا تل پہ گماں اے فرحت — رخ کو کعبہ دہن یار کو زمزم سمجھے

دہی شیو پرشاد نام دہی تخلص منشی نولکشور کے مطبع میں منیجر تھے

نمونہ کلام یہ ہے ؎

ظلم سے تیرے یہ تنگ او ستم ایجاد آیا — نالہ لب پہ میرے کرتا ہوا فریاد آیا

شوق پابوس کا جدا حسرت دیدار جدا | قبر میں ساتھ لئے جاتے ہیں ارماں کیا کیا
جب دم نزع عیادت کو وہ دلبر آیا | ناز کرتا ہوا دم بھی مرا لب پر آیا
جانے سے اُنکے پہلے ہی جان حزیں گئی | کوس سفر تھا نالہ مرغ سحر نہ تھا
آئینہ مرے ہاتھ سے دیکھو | دو مجھے مرتبہ سکندر کا
ابر آیا ہے جھوم کر ساقی | آج ہو دور دور ساغر کا
بیخود وہ یوں ہیں نشۂ حُسن شباب میں | جس طرح مست ہوتے ہیں کیف شراب میں

سحر منشی دیبی پرشاد نام سحر تخلص ہندوستان کے مشہور خطاط نظم پرویں وارژنگ چیں کے باکمال مشہور مصنف۔ ۲۴ دسمبر ۱۸۴۰ء کو بدایوں (شریف[1]) میں پیدا ہوئے۔ اجداد کا وطن بانگرمئو مضافات سندیلہ اودھ تھا۔ مولوی طاہر الدین سے ادب۔ ریاضی طبعیات وخطاطی کی سند لی۔ شاعری میں اپنی ماں اور اپنے باپ سے استفادہ کیا۔ دہلی ولکھنؤ میں عمر گزری۔ محکمہ تعلیمات میں ڈپٹی انسپکٹری کے عہدہ سے وظیفہ یاب ہوئے۔ چودھری اصغر علی ضابط۔ مولوی

---

[1] حضرت محبوب الٰہی سلطان نظام الدین اولیا کے محبوب وطن اور جائے پیدائش ہونے کی بنا پر میں بدایوں شریف کہتا ہوں۔

غنی رضا وحشی ۔ نواب سید محمد ذکریا خاں ذکی ۔ منشی انوار حسین تسلیم اور لالہ رام راحت کے معاصرین میں تھے ۔ مشاعروں میں شرکت کرتے اور داد حاصل کرتے تھے ۔ خطاطی میں آپ کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں تک پہنچی ہے ۔ یہ فیض اب تک جاری ہے ۔ سحر سامری آپ کا دیوان شائع ہو چکا ہے ۔ دو واسوخت تحریر عشق و تقریر عشق کے نام سے شائع ہو چکے ہیں ۔ فن مساحت میں محیط المساحت ۔ تکمیل المساحت ۔ رمل میں بے نظیر ۔ عروض میں معیار البلاغۃ ۔ منطق میں خلاصۃ المنطق آپ کی یادگار ہیں ۔ مراۃ العلوم در کار الفیوض ۔ گلدستۂ ادب وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں ہیں ۔ معیار الاملا بھی خطاطی میں مشہور کتاب ہے ۔ نمونہ کلام یہ ہے ؎

دیر میں ہے وہ نہ ہے کعبہ میں اور ہے سب کہیں
طالب نظارہ کو گر ہے سلیقہ دید کا

جو ملا اس سے اسے کہتا ہے عالم مر گیا
نام مردہ رکھ دیا ہے زندۂ جاوید کا

تیغ ابرو سے قتل کر ظالم
کون احسان اٹھائے خنجر کا

زخم جب اندمال پر آیا
اور جلا دیئے دیا چیر کا

ہم نے دانائی سے وہ نکتہ نکالے عشق میں
عاشقی بھی کچھ دنوں میں ایک فن ہو جائیگا

چل نہ وہ چال کہ اپنے بھی پرائے ہو جائیں
لطفِ احسان سے بیگانہ کو بھی کر اپنا

یاد آجاتی ہے جب زلف گرہ گیر مجھے
نظر آتا ہے مکاں خانۂ زنجیر مجھے

ہر چند ہر چند کشور نام ہر چند تخلص سے راجہ جگل کشور دہلوی کے نواسے تھے۔ صاحب دیوان گزرے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے سه

جامِ صہبا نے لیا بوسہ لبِ میگوں کا جب
قلقلِ مینا سے نکلا غل مبارک باد کا

آتا نظر نہیں کوئی صاحب نظر مجھے
بتلائے یار کا جو نشانِ کمر مجھے [1]

حضرت آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہمارے برادرانِ وطن نے کس طرح خونِ جگر سے آپ کے چمنستانِ ادب کی آبیاری کی ہے۔ ہندو رؤسا نے بھی اپنی دولت کے صحیح مصرف سے اربابِ وطن کے شکستہ دل افراد کی دلجمعی اور مختلف طریقوں سے اُن کی عزت افزائی کر کے ادبِ اُردو کی سرپرستی

---

[1] ہندو شعرا کا ایک مختصر تذکرہ ابھی حال میں خواجہ عشرت نے لکھنؤ سے شائع کیا ہے ایک اور مبسوط تذکرہ جناب برق سیتاپوری نے بھی شائع کیا ہے کشمیریوں کا بھی ایک تذکرہ الہ آباد سے شائع ہو گیا ہے لیکن مخصوص ہندو خواتین کا تذکرہ ابھی تک شائع نہ ہوا تھا میں نے شمع شبستان کے تذکرہ کے سلسلہ میں اکثر احباب چارہ ساز سے خط و کتابت کی لیکن مجھ کو زیادہ کامیابی نہ ہوئی لیکن یہ سن کر مسرت ہوئی کہ ملک کے مشہور مزاح نویس مسٹر شوکت تھانوی اڈیٹر شباب کی رفیقہ حیات سیدہ سعیدہ خاتون (شوکت دلہن) نے ایک تذکرہ مخصوص ہندو خواتین کا مرتب کیا ہے جو عنقریب مجبی مسٹر نسیم النولوی مالک سرپنچ جرنلس کے زیر اہتمام حریم بک ایجنسی لکھنؤ سے شائع ہوگا۔ غالباً ادب اُردو میں اس سے بہت مفید اضافہ ہوگا۔

کی ہے۔ راجہ شتاب رائے ناظم بنگالہ وبہار کی قدردانی ضرب المثل ہے اُنکے صاحبزادہ راجہ بہادر راجہ اُردو کے باکمال شاعر تھے۔ میر جس سرکار کے رہین منت زیادہ رہے اس میں راجہ جگل کشور کا نام نامی آج تک سپہر ادب پر سہیل بن کر ضیا پاشی کر رہا ہے۔ مومن بھی سرکار الور کے متوسل رہے مہاراجہ چندو لال کی زرافشانیاں کافی مشہور ہیں۔ پٹنہ کے دور آخر میں کنور سکھراج بہادر نے بقول مصنف حیات فریاد ایسے مشہور مشاعرے کئے کہ اُن کی یاد اب تک بہتوں کو بے چین کرتی ہے۔ ہر مشاعرہ میں ۳۔۴ ہزار روپیہ خرچ ہوتا تھا۔ آج بھی دکن میں ہز اکسلنسی سر یمین السلطنت مہاراجہ بہادر راجہ راجایان کشن پرشاد نظامی شاد بہادر بالقابہ جی۔سی۔آئی۔ای پیشکار دولت آصفیہ کی قدر دانیوں کا غلغلہ ہند میں کسی سے مخفی نہیں ہے۔"

ہندو والیان ریاست میں بہت رئیس خوش ذوق ادیب گزرے ہیں اور بہت ادب پرست اور ادب نواز آج بھی موجود ہیں۔ انھیں میں ایک دربار گوالیار بھی ہے جس سے ہمیشہ تشنگان ادب سیراب ہوتے رہے ہیں چنانچہ مضطر خیر آبادی کا نیّر اقبال اسی مطلع پر تا دیر منظر فروز رہا

اور اب بھی اسی سرکار گہر آبدار کی وساطت سے جناب صدر (مجلس استقبالیہ) جناب مہر جناب سید حکیم احمد صاحب ہمارے دوست ڈاکٹر ضیا رعباسی ہاشمی اور اُنکے رفقاء ادب اُردو کی خدمت کر رہے ہیں — جب تک اُردو ادب قائم رہے گا اس دور کا بکرما جیت ثانی (مہاراجہ سندھیا) اپنے نورتن (بزم ادب) کی عزّت و افتخار کو بڑھاتا رہیگا!

اگر اُردو ادب کی ترویج و اشاعت میں مسلمانوں نے ہندوؤں کی اعانت کی ہے تو ہندوستانی مسلمان اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتے اور نہ اس گراں بہا احسان سے کبھی بھی عہدہ برا ہو سکتے ہیں کہ اسلامی درسیات اُردو ادبیات اور دیگر مذہبی علوم و فنون کی تبلیغ و اشاعت میں منشی نولکشور سی آئی۔ ای کی جو درخشاں خدمات مسلم ہیں وہ بحیثیت مجموعی کوئی مسلمان (انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے) سرانجام نہ دے سکا یقین کیجئے منشی نول کشور کا زاویۂ نگاہ تنگ نہ تھا - وہ خود محنت کے

ؔلہ ثبوت یہ ہے کہ لکھنؤ میں یہ مشہور ہے کہ جس قدر حفاظ - محدّث - مورخ اس مطبع میں تھے ہندوستان کے کسی دوسرے مطبع کو نصیب نہ ہوئے اور جس وقت کلام پاک کی طباعت شروع ہوئی تھی تو منشی نولکشور کا حکم تھا کہ مصحح سے لیکر (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸ پر)

عادی تھے اور جوہر شناس بھی اور یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ سے اُنکے مطبع کو مسلمان باکمال ادبا اور شعراء سے قریبی تعلق رہا ہے۔ اگر آپ کو صفِ اولیٰ میں منشی امیر اللہ تسلیم۔ مولانا تسلیم سہسوانی۔ مولانا ہادی علی اشک۔ مولانا عبدالمجید سحر کاکوروی۔ نسیم دہلوی کی مشہور شخصیتیں نظر آتی ہیں تو دورِ وسطیٰ میں مولانا عبدالعلی آسی مدراسی۔ مرزا حیرت دہلوی۔ سید جالب دہلوی۔ مولانا امیر علی ملیح آبادی منشی احمد علی کامل۔ مرزا نادر حسین جنون بھی اسی مطبع سے متوسل رہے ہیں تو دورِ آخر میں مرزا محمد عسکری۔ مولانا عبدالباری آسی۔ مرزا یاس عظیم آبادی۔ قاضی عبدالعزیز عزیز۔ پیرزادہ فدا حسین۔ مسٹر نورالحسن اور مسٹر شوکت تھانوی کے رشحات قلم سے مطبع برابر مستفید ہوتا رہا ہے اور آج بھی امید امیٹھوی اور امین سلونوی وغیرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷) پریس میں تک طہارت کاملہ سے آراستہ ہوکر کام شروع کریں گے۔ مسلمان یہ کہتے ہیں کہ منشی نولکشور کی روز افزوں ترقی جاہ و اقبال میں اُنکے اس خلوص کو بڑا دخل تھا لیکن چند ممتاز ہندو بزرگوں کی زبان مبارک سے یہ بھی سُنا ہے کہ جو احترام بزرگانِ دین کا منشی نولکشور کرتے تھے وہ بہت سے مسلمان بھی نہیں کرسکتے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ کلام پاک کی اشاعت میں منشی نولکشور کی خدمات ہر آئینہ درخشاں ہیں۔

کی خدمات ادبی سے ملک کو برابر فائدہ پہنچ رہا ہے جو ہر آئینہ اس مطبع کا فیض جاری سمجھنا چاہیئے۔

غالبًا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ملک کا پہلا روزنامہ اسی مطبع سے شائع ہونا شروع ہوا جو بحمدہ آج بھی اپنے مقدس بانی کی یاد کو تازہ کر رہا ہے اور عروج و کمال کے مدارج طے کرتے ہوئے اُس نے چھہتّرویں سال میں قدم رکھا ہے۔ اپنے معاصرین میں اس عمر کا اودھ اخبار ہی پہلا روزنامہ ہے جو اپنی اسی پالیسی پر جو اُسکے بانی نے مقرر کی ہے اور آج بھی باوجود امتداد زمانہ اور ملک میں متعدد سیاسی مخالف ہواؤں کے وہ اپنے "موروثی" عظمت و وقار کو قائم کئے ہوئے ہے۔ اور دسہرہ۔ بسنت۔ ہولی و عیدین کے مبارک موقعوں پر اُسکے سرورق رنگین شائع ہوتے ہیں جو ہندو مسلم اتحاد کے درس دیرینہ کو ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچا کر منشی نولکشور کی روح کو خوش کرتا ہے۔ یہی ایک ایسا اخبار ہے جس کی ادارت ہمیشہ سے ملک کے ممتاز ادبا کرتے چلے آتے ہیں اور فسانہ آزاد اسی مطبع[1] سے طلوع ہو کر

---

[1] ہندو ادیبوں میں منشی بشن نرائن در۔ نوبت رائے نظر۔ پیارے لال شاکر۔ منشی پریم چند وغیرہ وغیرہ مشاہیر کا بھی تعلق اسی مطبع سے رہا ہے۔

دنیائے ادب کو مسحور کر چکا ہے۔

منشی نولکشور خود صحیح معنوں میں اُردو کے ادیب تھے مرزا غالب سے ملاقات کے لئے دہلی گئے اور اُن کی چند تصنیفات کے شائع کرنے کی اجازت مانگی۔ مرزا غالب اس ملاقات سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ انہوں نے اس کا تذکرہ اُردوئے معلیٰ میں کیا اور بطیب خاطر اُن کو اجازت بھی عطا کی۔

اس سلسلہ میں لکھنؤ کے منشی مہادیو پرشاد ۔ لاہور کے رائے صاحب گلاب سنگھ اور الہ آباد کے انڈین پریس کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے جنہوں نے منشی نولکشور کے نقش قدم پر چل کر مشرقی ادبیات کی سرپرستی کرتے ہوئے ترویج واشاعت میں حصہ لیا ہے۔[1]

---

[1] آج کل کے نوجوانوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئیے کہ منشی نولکشور کی ابتدائی زندگی عیش وآرام سے نہ گزری بلکہ شروع میں سرکاری فارم چھپا کرتے تھے اور اپنے کاندھے پر فارم رکھ کر ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں پہنچا دیا کرتے تھے۔ انکے احباب میں ایک بزرگ مولوی محمد احسن[2] تھے جنکا تاریخی نام منظور احمد (۱۲۴۵ھ) تھا۔ تعلیم وتربیت اپنے بڑے بھائی مولوی محمد محسن سے پائی۔ سرکار میں سب جج (صدر اعلیٰ) کے عہدہ سے وظیفہ یاب ہوئے۔ ریاست بھوپال میں انگریزی حکومت کی جانب سے انگریزی نائب وزیر دیوانی وفوجداری مقرر ہوئے۔ ۸۔ ربیع الآخر ۱۳۰۹ھ بمقام کاکوری بعارضہ بخار رحلت کی۔ انہوں نے منشی نولکشور کو صلاح دی کہ تم (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱ پر)

حضرات یہ کس قدر افسوسناک واقعہ ہے کہ آج تقریباً نصف درجن سے زائد تذکرے اُردو زبان کے انگریزی اور اُردو میں شائع ہو چکے ہیں لیکن کہیں بھی محسن اعظم (منشی نولکشور) کی بے لوث خدمات کا اعتراف فراخ دلی سے نظر نہیں آتا۔ بلکہ حیرت پہ حیرت جدید تذکرہ نگاروں نے خدا معلوم کن مصالح کی بنا پر لالہ سری رام (خمخانہ جاوید)۔ دیا نراین نگم (زمانہ) پروفیسر گھوشال ایم۔اے (بھوپال)۔ منشی پریم چند۔ سدرشن (چندن) مہیش پرشاد (بنارس)۔ رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو۔ منوہر لال زتشی۔ کشن پرشاد کول۔ ڈاکٹر تارا چند (الہ آباد) کی خالص ادبی خدمات کا بھی اعتراف نہیں کیا ——— کیا آپ لوگ اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰) کلام مجید کے سپارے شائع کرنا شروع کرو انشاء اللہ تم کو فائدہ ہوگا منشی نولکشور نے مالی اعانت کے متعلق گفتگو کی۔ دونوں کے مذاق میں مناسبت تھی اس لئے مولوی محمد احسن نے (خدا معلوم کیا) امداد کی جس کا علم مولوی محمد احسن کے احفاد میں کسی کو نہیں ہے۔ جب مولوی محمد احسن بارہ بنکی میں صدر اعلیٰ تھے تو منشی نولکشور نے اصرار کیا کہ جو رقم آپ نے دی تھی وہ اب لے لیجئے۔ لیکن مولوی محمد احسن نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے یہ رقم حقیر بطور قرض دی تھی بلکہ اپنے ہی اوپر خرچ کر دی تھی۔ آخر میں منشی نولکشور نے کہا کہ اچھا اپنے والد ماجد مولوی حسن محسن کی بے نظیر تالیف تفریح الاذکیا فی احوال الانبیا مجکو عنایت کیجئے میں اسکو شائع کر دونگا۔ چنانچہ مولوی محمد احسن نے وہ ضخیم کتاب جو دو حصوں میں تقریباً ۳ ہزار صفحات میں بڑی تقطیع پہ مطبع نولکشور سے حنائی کاغذ پر شائع ہوئی اور اسکے ۱۰ نسخہ کاکوری میں مولوی محمد محسن کی اولاد و احفاد کو بھیج دئے گئے۔ یہ تھا حقیقی ہندو مسلم اتحاد۔

کھُل ہوئی حقیقت سے انکار کو تعصب کے برے نام سے تعبیر نہ کریں گے۔

میری رائے میں تو ان حضرات نے بڑی پامردی سے حدیقۂ ادب کی آبیاری کی ہے کیا اُس کا صلہ یہی ہے کہ آپ اُن کا تذکرہ بھی معیوب تصور کرتے ہیں ـــــ اسلئے میری رائے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ زبانِ اُردو کی ایک جدید تاریخ ادبیات مرتب کی جائے تاکہ آئندہ نفاق و شقاق کا دروازہ بند ہو جائے۔ میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ ایک ذمہ دار کمیٹی (جو حسب ذیل اصحاب پر مشتمل ہو) اس بزم ادب کی جانب سے مقرر کی جائے جو غالباً سال بھر میں ایک مختصر لیکن جامع تاریخ ادبیات اُردو دنیائے ادب کے سامنے پیش کر سکے[1]

(۱) علامہ نور الحسن صاحب نیّر مؤلف نور اللغات   صدر

(۲) مولانا نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار   رکن

---

[1] ممکن ہے کہ میں نے اس کمیٹی کے نام پیش کرنے میں زیادتی کی ہو لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جو نام میں نے پیش کئے ہیں وہ ملک میں کافی روشناس ہیں اور اُن پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر وہ ملک کی خاطر بغیر کسی معاوضہ کے ایک ایک دور منتخب کر لیں اور بزم ادب کو بھیج دیں تو میرے خیال میں یہ کام مفید بھی ہوگا اور سال بھر میں تاریخ مرتب بھی ہو سکے گی۔

(۳) پنڈت منوہر لال زتشی ایم۔ اے۔ لکھنؤ — رکن

(۴) مولانا عبدالحق بی۔ اے۔ انجمن ترقی اُردو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد — "

(۵) مولانا عبدالسلام دارالمصنفین اعظم گڈھ — "

(۶) مسٹر رشید احمد صدیقی ایم۔ اے (جامعہ علی گڈھ) — "

(۷) ڈاکٹر تاراچند ڈی فل (جامعہ الہ آباد) — "

(۸) سید مسعود حسن رضوی ایم۔ اے ادیب (جامعہ لکھنؤ) — "

(۹) منشی پریم چند بنارس — "

(۱۰) مولانا حسرت موہانی غازی ایڈیٹر اُردوئے معلّٰی کانپور — "

(۱۱) ڈاکٹر محی الدین قادری زور ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد — "

(۱۲) مولانا خواجہ حسن نظامی۔ (دہلی) — "

(۱۳) پروفیسر محمود شیرانی (جامعہ پنجاب) — "

(۱۴) منشی امیر احمد علوی بی۔ اے صاحب یادگار انیس لکھنؤ — "

(۱۵) منشی دیانرائن نگم بی۔ اے ایڈیٹر زمانہ (جامعہ آگرہ) — "

(۱۶) ڈاکٹر ذاکر حسین ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (جامعہ ملیہ) — "

(۱۷) ڈاکٹر ضیائے عباس ہاشمی — سکریٹری

اگر بزمِ ادب گوارا کرے اس امرِ خطیر کا بیڑا اُٹھالے اور تاریخ ادبیات ادوار مقرر کرکے ان باکمال اُدبا کو سپرد کئے جائیں تو غالبًا یہ اس قدر عظیم خدمت ملک اور ادب کی ہوگی کہ آیندہ آنیوالی نسلیں اس مبارک مجلس کے روشن کارناموں کا ذکرِ خیر کرنا موجب سعادت سمجھیں گی[1]

اب میں اپنے محترم بھائی نواب مرزا جعفر علی خاں صاحب اثرؔ کی اس دعا پر اس مقالہ کو ختم کرتا ہوں ؎

یارب ایسی صورت نکلے غفلت بیداری سے بدلے
اس طرح یہ دو دل مل جائیں غیر ان کی وفا کی قسم کھائیں
ہو دور نفاق او رمیل بڑھے اک بار منڈھے پھر بیل چڑھے
یہ دن ٹل جائیں مصیبت کے پھر سوکھے دھانوں پانی پڑجائے
مٹی میں رُلی عظمت مل جائے پھر کھوئی ہوئی دولت مل جائے
یہ روپ سنگار وطن کا ہو جو تازہ عروس چمن کا ہو
سب اُسکے سہاگ کی لاج کریں کیوں اُٹھا رہے کل جو آج کریں!

ہو دور نیا ہو عہد نیا

[1] حاشیہ صفحہ ۳۵ پر دیکھو۔

(حاشیہ صفحہ ۳۴)

لہ اِس مقالہ کی تیاری میں حسب ذیل کتابوں رسالوں سے بہت آزادی سے امداد لی گئی ہے جس کا شکر یہ ادا نہ کرنا میرے عقیدہ میں کفر کے مصداق ہے۔

تذکرہ شعرائے اُردو۔	میر حسن دہلوی
گلزار سخن۔	بابو جگناتھ پرشاد
گلشن ہند۔	مرزا علی لطف
جلوۂ خضر۔	خضر بلگرامی
سخن شعرا۔	نساخ
گلشن بے خار	نساخ
تفہیم سخن	مولوی عبدالحی
گلستان بے خزاں نغمۂ عندلیب	حکیم قطب الدین دہلوی
خمخانہ جاوید۔	لالہ سری رام ایم اے
تاریخ شعرائے اُردو۔	منشی کریم الدین
چمنستان شعرا۔	لچھمی نراین شفیق

آبِ حیات — آزاد

نکات الشعراء — میر تقی میر

سہیل ادب - الناظر - تجلی - زمانہ - نیرنگ خیال - حریم - شباب - علیگڈھ میگزین کی پرانی جلدیں - کلیات محسن - مختلف رسائل و مضامین تخمیس احسن مارہروی - نور اللغات - علامہ منیر کاکوروی -

اعلان

یہ رسالہ جس قدر چھپا ہے وہ تمام و کمال آل انڈیا اُردو کانفرنس دہلی کے اجلاس میں تقسیم کر دیا جائے گا اور تھوڑی سی کاپیاں اخبارات کو بھی بھیجدی جائینگی - بیرونی تقسیم کے لئے عنقریب اس کا دوسرا ایڈیشن تیار کیا جائیگا تاکہ مولٰنا ناظر کاکوروی موجودہ ایڈیشن میں کچھ خامی یا غلطی پائیں تو اس کو درست کر دیا جائے - مولٰنا ناظر سے یہ بھی درخواست ہے کہ وہ اس مفید مضمون کی عام اشاعت کی ہر شخص کو اجازت دیدیں بشرطیکہ اس کو چھپوا کر مفت تقسیم کیا جائے -

حسین بن حسن نظامی

حامیانِ اُردو کا فرض

بعض خود غرض لوگوں نے اُردو ہندی کے نام سے ہندو مسلمانوں میں تفریق پیدا کر دی ہے جس کو جناب ناظر صاحب کاکوروی نے یہ رسالہ لکھ کر دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں اس رسالہ کو دس ہزار کی تعداد میں چھپوا کر بلا قیمت تقسیم کروں گا۔ اور آل انڈیا اُردو کانفرنس دہلی منعقدہ ۲۰۔ اپریل سنہ ۱۹۳۴ء میں بھی اس رسالہ کو تقسیم کیا جائے گا۔ تمام حامیانِ اُردو سے درخواست ہے کہ وہ بھی یہ رسالہ اپنے اپنے صوبوں میں چھپوا کر مفت تقسیم کریں اور اسی قسم کی اور چیزیں بھی تیار کر کے شائع کی جائیں تاکہ ہندو مسلمان آپس میں ایک دوسرے پر اعتماد کریں۔ اور ہر ایک دوسروں کی خدمات اُردو کا اعتراف کرے جس کی آج کل کمی معلوم ہوتی ہے۔

حسن نظامی
۱۷۔ اپریل سنہ ۱۹۳۴ء

ضروری آگاہی

اہل دہلی اور ہندوستان کے تمام حامیان اُردو اصحاب کو آگاہ ہونا چاہیے کہ دہلی میں "حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ" ہر قسم کی مشرقی کتابیں خریداروں کے لئے مہیا کرنے کا کام کرتی ہے۔ اس کی دُکان بھی دریبہ کلاں دہلی میں کھلی ہوئی ہے جہاں ہندوستان کے ہر اُردو مصنّف کی کتابیں مہیا کرنے اور خریداروں کی فرمائشیں پوری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حسین بن حسن نظامی نائب ایڈیٹر اخبار منادی دہلی

رسالہ

اردو کے ہندو ادیب

جو اردو نمائش گوالیار کے جلسہ میں پڑھا گیا تھا اور
جس کو آل انڈیا اردو کانفرنس دہلی کے جلسہ کے لئے
۲۰ اپریل سنہ ۱۹۳۴ء کو حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی نے
چھپوا کر شائع کیا

نوشتہ جناب قاری مولوی محمد مشیر احمد صاحب علوی ناظر کاکوروی
بی اے (علیگ) سابق سکریٹری اردو کانفرنس دہلی

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی